ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

معاشرتی امن کے متعلق مولانا رومؒ کے افکار کا تحقیقی جائزہ

A Research Review of Maulana Rumi’s Thought on Social Peace

عبدالرحمٰن: ایم فل، الحمد اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد
سید عبید الرحمٰن عابد: پی ایچ ڈی اسکالر، محی الدین اسلامی یونیورسٹی نیریاں شریف آزاد کشمیر

Abstract

The Moulana Jalal al-Din Rumi (1207-1273 CE) was a 13the-century Persian Muslim poet, jurist, Islamic scholar, theologian, and Sufi mystic. Rumi’s influence transcends national borders and ethnic divisions in the Muslim world and beyond. His poems have been widely translated into many of the world’s language. Rumi has become a widely read and popular poet. Moulana Jalaluddin Rumi was a great Sufi and philosopher of the Islamic world, who expressed his views in prose and poetry. Maulana Rumi presented theoretical and practical views on various aspects of life. His teachings encompass various aspects of life, including principles of spiritual knowledge, moral etiquette, economic justice, and comprehensive principles for maintaining social peace. Maintaining social peace has become a challenge for the entire world. People claim to be civilized, but human civilization is far from our individual societies. For the survival and perpetuation of this human civilization, Maulana Rumi presented remarkable views and principles in his Masnavi. This article selects verses from Maulana Rumi’s Masnavi that can play a role in maintaining social peace. This article will be beneficial for the general public and also for those in power. This article aims to elucidate Maulana Rumi’s views on soial peace, which can facilitate the creation of a peaceful society. By studying this article, we can achieve far-reaching results as a Muslim nation.

Keywords: *Mu’ashra, Aman, Moulana Rumi, Afrad, Islam, Mazhab, Akhlaq.*

تمہید

اہلِ علم و ادب ہوں یا اہلِ سیاست ہوں، ہر ایک کے نزدیک معاشرہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ معاشرہ اگر پاکیزہ اور نکھرا ہوا ہو گا تو ہر طرف خوشگوار ماحول نظر آئے گا۔ اگر اس کے برعکس ہو تو بدامنی اور نفسا نفسی کا عالم ہو گا۔ یہی معاشرت ایک انسان اور بے زبان حیوان کے رویوں کو ظاہر کرنے والی ہوتی ہے۔ دنیا اس وقت بہت سے مسائل کا شکار ہے ان میں ایک اہم اور سنگین مسئلہ معاشرتی بدامنی کا ہے۔ معاشرتی بدامنی کی وجہ سے لوگ باہمی تنازعات کا شکار ہو رہے ہیں رفتہ رفتہ یہ تنازعات عالمی جھگڑوں کا سبب بنتے جا رہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسے بنیادی عوامل کی جانب نشاندہی کی جائے جو عوامل معاشرتی امن کی نقیض کا باعث بن رہے ہیں۔ یہ مقالہ مولانا جلال الدین رومیؒ کے صوفیانہ اور فلسفیانہ افکار کی روشنی میں معاشرتی بدامنی کے اسباب کو ظاہر کرنے کے ساتھ ساتھ ان اسباب کو دور کرنے کے قابلِ عمل اقدامات کی طرف توجہ مبذول کروا رہا ہے۔

معاشرہ

علامہ فیروز آبادیؒ کے نزدیک معاشرہ عربی لغت میں (ع ش ر) سے ماخوذ ہے۔ ”عاشره معاشرة، و تعاشروا۔ تخالطوا“ جس کا معنی باہم مل جل کر رہنا ہے۔[1] محقق و مدبر علامہ محمد الجوہری کے مطابق ”معاشرہ افراد کے ایسے گروہ کو کہتے ہیں جو مشترکہ روابط کی بنا پر باہم بنیادی ضروریاتِ زندگی کے ساتھ وابستہ ہوں“۔[2]

---

[1] القاموس المحیط، ابو طاہر مجد الدین الفیروز آبادی، (مکتبہ تحقیق التراث فی مؤسسة الرسالة، بیروت لبنان،۱۴۲۶ھ)،ص:۱/۴۴۰

[2] المدخل الی علم الاجتماع، محمد الجوھری، (دارالعلم للملایین،۲۰۰۷ء)،ص:۷۸

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

ماہر معاشریات خلیل احمد خلیل نے ایک تعریف یہ لکھی ہے:

"المجتمع ھو کل تالف بین شخصین او اکثر یربط بینھما اتفاق او عقد شفوی او کتابی و قد یکون مضمرا و معلنا و تترتب علیه مسؤولیات متبادلة بین الاطراف المشترکة"[3]

(ہر وہ تعلق اور اجتماع جو دو شخصوں کے مابین ہو یا دو سے زیادہ کے مابین، اس تعلق میں زبانی یا مکتوب عقد شامل حال ہوتا ہے جو کہ کبھی اعلانیہ ہوتا ہے اور کبھی غیر اعلانیہ اور اس کی بنیاد پر ہر دو اطراف پر مشترکہ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اس طرح کے اجتماع و تعلق کو معاشرہ کا نام دیا جاتا ہے۔)

جمال مجدی حسنین نے معاشرہ کی تعریف یوں کی ہے:

"المجتمع ماھو الا بناء نشا من تفاعل مجموعة معینة من الافراد والجماعات فی مکان جغرافی محدد یستخدمون موارده لسد احتیاجاتھم المادیة والروحیة"[4]

(معاشرہ ایک ایسا ڈھانچہ ہوتا ہے جو ایک مخصوص جغرافیہ کے اندر ہونے والے افراد اور گروہوں کے آپسی میل جول سے جنم لیتا ہے اس میں مادی اور روحانی ضروریات کی تکمیل کا سامان میسر ہوتا ہے۔)

علمِ معاشرہ کے ماہر خلیل احمد خلیل نے ایک تعریف یہ بھی لکھی ہے:

"المجتمع مجموعة من العادات والتقالید والعتیم المؤثرة فی السلوک الانسانی و تعد عنصرا اساسیا من عناصر البیئة المحیطة بالفرد، و تحفزه الی ممارسة استجابات سلوکیة تختلف باختلاف خصائص الافراد و سماتھم و طبائعھم"[5]

(معاشرہ سلوک انسانی میں موجود ان عادات و اطوار اور اعلیٰ اقدار کا مجموعہ ہوتا ہے جو اس ماحول میں بنیادی عناصر کی اہمیت رکھتے ہیں اور لوگوں کو ایسے کردار ادا کرنے پر ابھارتے ہیں جو ہر شخص کے مزاج اور طبیعت کے لحاظ سے الگ ہوتے ہیں۔)

اردو انسائیکلوپیڈیا کے مقالہ نگار کے مطابق معاشرہ کی آسان پیرایہ میں تعریف حسب ذیل ہے:

"بنی نوع انسان کی ایک بڑی تعداد جس کے افراد کو ایک دوسرے کے ساتھ رہنے سہنے، فلاح و بقا اور حصول ترقی کے لیے ایک ماحول کے اندر سابقہ پڑتا ہے معاشرہ کہلاتا ہے"۔[6]

معاشرت کی ضرورت

اسلامی عقائد کا سب سے قوی اور مضبوط مظہر اس کی معاشرت میں کار فرما ہوتا ہے۔ یہ معاشرت اور اس کے اوضاع و اطوار جس قدر اپنے عقائد کے عکاس اور ترجمان ہوں گے ان میں اسی قدر سنجیدگی، پختگی اور سیرت سازی کا ساز و سامان موجود ہو گا۔ اسلام سے قبل پوری دنیا میں ایک کافرانہ اور مشرکانہ معاشرت تھی۔ اس معاشرت کے سارے کوائف جاہلیت کے رسوم و رواج سے وابستہ تھے، مگر یہ عقیدہ توحید کا فیضان تھا کہ نبی اکرم ﷺ نے تئیس سال کے مختصر عرصے میں انتہائی قلیل وسائل کے ساتھ ایک عظیم معاشرتی انقلاب برپا کر دیا۔ یہ معاشرتی انقلاب سر تا پا اسلامی عقائد اور

[3] المفاھیم الاساسیة فی علم الاجتماع، خلیل احمد خلیل، (بیروت، ۱۹۸۴ء)، ص:۱۹

[4] دراسات اجتماعیة، جمال مجدی حسنین، (دارالمعرفة، ۱۹۸۶م)، ص:۱۸۷

[5] المفاھیم الاساسیة فی علم الاجتماع، ص:۲۲

[6] اردو انسائیکلوپیڈیا، (فیروز اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۶۲ء)، ص:۱۲۰۹

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

اس کی بنا پر اٹھنے والی تہذیب و ثقافت سے ہم آہنگ تھا۔ کوئی بھی نظامِ عقائد جب تک ایک مخصوص ثقافت پیدا نہ کرے، وہ مردہ ہو جاتا ہے۔ ثقافتی اقدار اور روایات ایک تمدن اور معاشرت کی تشکیل کرتی ہیں اور یہی معاشرت کسی تصورِ زندگی کے حسن و قبح کا فیصلہ کرتی ہے۔

چودہ صدیاں گزرنے کے بعد اسلامی معاشرے اور معاشرت کی وہ شکل باقی نہیں رہی جس کا مطالبہ کتاب و سنت یا سیرت کا تقاضا ہے۔ آج ہماری معاشرت مغربی تہذیب، یورپی ثقافت اور الحاد و اباحیت کی دلدل میں پھنس چکی ہے۔ ایک عجیب تضاد ہمارے عقائد اور ہماری معاشرت میں دکھائی دیتا ہے۔ اس تضاد نے دین کی ساری برکات اور شریعت کے تمام ثمرات سے ہمیں محروم کر رکھا ہے۔ عہدِ حاضر میں ذہنی انتشار اور قلبی اضطراب اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتا جب تک ہم ایک مرتبہ پھر اپنی معاشرت کا رنگ ڈھنگ کوہِ فاران کی چوٹیوں سے بلند ہونے والے پیغامِ الٰہی کی روشنی میں اختیار نہیں کرتے۔ قرآن مجید میں: "قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا"[7]

کی جو صدائے شفقت و نصیحت بلند کی گئی ہے، اس کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے خاندانی نظام کی بھرپور حفاظت کریں اور اسے اسلامی معاشرت کے ساتھ ہم آہنگ کریں۔ یوں تو اس معاشرت میں ڈھلنے کی ہر ذی ہوش مسلمان کو ضرورت ہے مگر اپنی ترجیح اور اہمیت کے اعتبار سے اس اصلاح کا آغاز فرد کی تعلیم و تربیت سے ہونا چاہیے۔ اگر کسی معاشرے کے فرد میں اسلامی سیرت و کردار کے نقوش مرتب ہو جائیں تو اس معاشرے اور معاشرت کا مستقبل محفوظ ہو جاتا ہے۔ اگر افراد کی ذہنی بیداری اور جذباتی نشوونما کو اسلامی سیرت کے خدوخال میں نہ ڈھالا جائے تو معاشرت مردہ اور معاشرہ بانجھ ہو جاتا ہے۔

اسلامی معاشرت کا حقیقی نمونہ حضور نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ میں پوشیدہ ہے۔ آپ ﷺ کی جامع سیرت اور پختہ کردار کو احادیث اور سیرت کی کتابوں میں اس کی تمام تر تفاصیل کے ساتھ محفوظ کیا گیا ہے۔ قرآن مجید جس نوعیت کے معاشرے کا مطالبہ کرتا ہے وہ نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ میں اپنی مکمل اور جامع شکل میں قائم فرمایا۔ اس معاشرت کا محور و مرکز مسجد کے ادارے کی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔ اس مسجد سے متعلقہ وظائف پر نگاہ ڈالی جائے تو عجیب اور حیرت انگیز مناظر سامنے آتے ہیں۔ یہ مسجد صدرِ اول میں اسلامی ریاست کا دارالخلافہ رہی۔ یہی مجاہدین کا جنرل ہیڈ کوارٹر بنی۔ یہیں سے اسلامی لشکروں اور ان کے کمانڈروں کو ہدایات ملتی تھیں۔ یہی مسجد اسلامی ریاست کا سول سیکرٹریٹ رہی۔ اس میں ریاست کے اموال و محاصل کے لیے بیت المال قائم کیا گیا۔ یہیں پر باہمی تنازعات اور مناقشات کے فیصلوں کے لیے عدالتیں لگتیں۔ اسی مسجد میں تعلیم و تزکیہ کا مقامی دارالعلوم قائم کیا گیا۔ اسی مسجد میں بیرونی علاقوں سے آنے والے غیر مسلم وفود کا استقبال کیا جاتا اور ان کے ساتھ مذاکرات ہوتے اور بالآخر ان سے معاہدات بھی یہیں ترتیب پاتے تھے۔ اسی مسجد میں مسلمانوں کی معاشرتی سرگرمیاں ترتیب دی جاتیں۔ خوشی اور غم کی تقریبات کا مسنون اسلوب اسی صحنِ مسجد سے متعلق ہوتا۔ اسلامی معاشرت کی پائیدار بناء نکاح سے قائم ہوتی ہے۔ اور نکاح کی تقریبات مسجد ہی میں ادا کی جاتی تھیں۔ الغرض اسلامی معاشرے اور معاشرت کا کوئی پہلو ایسا نہیں تھا جس کا تعلق مسجد سے قائم نہ ہو۔ یہی باعث ہے کہ مسجد میں تشکیل پانے والے اعمال اور روایات میں حسنات و برکات کا ایک جہان آباد ہوتا تھا۔ مگر جوں جوں ہماری معاشرت کے رشتے مسجد سے منقطع ہونے شروع ہوئے، ہماری معاشرت بے روح اور طرح طرح کی کثافتوں سے آلودہ ہوتی چلی گئی۔[8]

اس لیے ضروری ہے کہ ایسی طرزِ معاشرت اپنائی جائے جو خالصتاً اسلامی اصولوں کے تحت ڈھالی گئی ہو جس کی طرف قرآن و سنت میں رہنمائی کی گئی ہو تاکہ اس معاشرہ میں الٰہی قوانین کا نفاذ کر کے اس معاشرہ کو نیک معاشرہ بنایا جاسکے۔ نیک اور صالح معاشرہ کے قیام کے لیے جو چیز انتہائی ضروری ہے وہ

---

[7] القرآن، سورۃالتحریم:٦٦/ ٦

[8] اسلامی آدابِ معاشرت، حافظ صلاح الدین یوسف، (مکتبہ دارالسلام، الریاض، ۱۴۲۷ھ)، ص:۱۶-۱۸

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

یہ کہ ایسا فرد تیار کیا جائے جو اخلاق و آداب سے لبریز ہو کیونکہ جس شخص میں اخلاق و آداب کا جوہر نہیں ہے وہ معاشرہ کی شکست وریخت کا سبب بنتا ہے۔ مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں:

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد — بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

(بے ادب نے نہ صرف اپنے آپ کو خراب کیا بلکہ اطرافِ عالم میں (فتنہ وفساد) کی آگ لگادی)

یعنی ایک شخص کی بے ادبی سے دوسرے لوگوں کو بھی ضرر پہنچتا ہے کیونکہ ایک تو جب لوگ کسی دنیوی مصلحت سے اس کی برائی دیکھ کر خاموش ہو رہیں گے تو باوجود قدرتِ منع کے ان کا سکوت کرنا گناہ ہوگا۔ حدیث میں وارد ہے:

"من رای منکرا فلیغیره بیده وان لم یستطع فبلسانه و ان لم یستطع فبقلبه و ذالک اضعف الایمان"[9]

یعنی جو شخص کوئی بری بات دیکھے تو چاہیے کہ اس کو ہاتھ سے بند کرے۔ اگر اس کی قدرت نہ رکھتا ہو تو زبان سے روکے اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو دل سے برا سمجھے اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بری بات کو دل سے برا نہ سمجھنے میں عدمِ ایمان کا اندیشہ ہے۔ دوسرا یہ کہ جب بے ادب معصیت کا وبال پڑے گا تو دوسرے لوگ بلکہ وحوش و طیور تک اس میں مبتلا ہوں گے۔ بفحوائے الدین کله ادب، بے ادب سے مراد ہر عاصی و گناہگار ہے جس میں نہ صرف تعظیم اکابر سے پہلو تہی کرنے والے بلکہ مرتکب فواحش اور تارکِ واجبات بھی داخل ہیں۔[10]

اسلام دین فطرت ہے۔ اس نے انسان کے اجتماعی شعور کو ملحوظ رکھا ہے۔ اسلام انسانوں کے باہمی میل جول سے پیدا ہونے والی اجتماعیت کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ اس اجتماعیت کی نشوونما میں معاونت کرتا ہے اور اسے ایسے فطری اصول دیتا ہے جن سے اجتماعیت کو تقویت ملے۔ وہ اس کے لیے صالح بنیادیں فراہم کرتا اور ایسے عوامل کا قلع قمع کرتا ہے جو اسے بگاڑ دیں یا محدود اور غیر مفید بنادیں۔ اسلام فرد کی انفرادیت کو بنیاد قرار دیتا ہے۔ فرد اجتماعی زندگی کے لیے جو جمعیتیں بناتا ہے اسلام اس کی حوصلہ افزائی کرتا، ان کے لیے اصول و قوانین فراہم کرتا، مفید و غیر مفید جمعیتوں کی تمیز سکھاتا اور صحیح جمعیتوں کی حدود و قیود بیان کرتا ہے۔ مثلاً اسلام وحدت نسل انسانی کا داعی ہے۔ وہ کسی ایسی جمعیت کو مستقل نہیں قرار دیتا جو انسانوں میں باہمی تفریق پر منتج ہو جیسے رنگ و نسل، زبان و وطن، معاشرتی زندگی میں عمومی طور پر انہی بنیادوں سے جمعیتیں بنتی ہیں۔ لیکن صرف وقتی اور مکانی مصلحتوں کے لیے ہی مفید ہیں۔ انسان کے وسیع تر مفاد کے لیے بالکل مضر ہیں۔ اسلام اختلاف کی ان بنیادوں کو غیر فطری قرار دیتا ہے۔

انسان کی پہلی اجتماعی اکائی اس کا خاندان ہے۔ اس میں میاں بیوی، والدین، رشتہ دار، ہمسائے اور پھر عام انسانی برادری شامل ہے۔ اسلام نے ان میں سے ہر ایک کے متعلق تفصیلی احکام دیئے ہیں چند بنیادی اصول اور خصوصیات جن پر سارا معاشرتی ڈھانچہ استوار ہے وہ بذیل ہیں:

وحدتِ نسل انسانی

اسلام وحدت نسل انسانی کا داعی ہے وہ انسانوں کی محدود تفریق کا قائل نہیں۔ ان کے درمیان مخصوص وجود (رنگ، نسل، وطن اور زبان) کی بنا پر فضیلت و ذلت کو نہیں مانتا۔ قرآن پاک نے اس اصول کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

---

[9] سنن النسائی، امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب، (دارالتاصیل، قاهرة، ۱۴۳۳ھ)، کتاب الایمان و شرائعه، باب تفاضل اهل الایمان، حدیث نمبر:۵۰۱۱

[10] مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا رومؒ، مولانا روم، مترجم: مولوی محمد نذیر نقشبندی مجددی عرشی، (الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، جولائی ۲۰۰۵ء)، دفتر اول، حصہ اول، ص:۷۱، ۷۲

"يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ط"[11]

(اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔ اور تم خدا تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے سوال کیا کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو۔)

وحدتِ فکر انسانی

اسلام کا دعویٰ ہے کہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے جن اصولوں کی ضرورت تھی وہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سمجھائے اسے جس بنیادی فکر کی ضرورت اور جس رہنمائی کی احتیاج تھی وہ رب العالمین نے مہیا کر دی۔ انسان نے اسے ضائع کر کے مصنوعی فکری خاکے مرتب کرنے شروع کیے۔ انسانوں کا باہمی فکری اختلاف ان کا اپنا پیدا کردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فکری تشتت نہیں دیا بلکہ فکری وحدت عطا کی تھی، قرآن پاک نے بڑے جامع الفاظ میں اسے بیان کیا ہے:

"كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ص"[12]

(ایک زمانہ تھا سب آدمی ایک ہی طریق کے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا جو کہ خوشی (کے وعدے) سناتے تھے اور ڈر کی خبریں سناتے تھے۔)

"اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۖ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ط"[13]

(بلاشبہ دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہے اور اہل کتاب نے جو اختلاف کیا (کہ اسلام کو باطل کہا) تو ایسی حالت کے بعد کہ ان کو دلیل پہنچ چکی تھی محض ایک دوسرے سے بڑھنے کے سبب سے۔)

خیر و شر کا قیام

انسانی معاشرہ میں اسلام بندے سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنے اخلاق کو درست رکھتے ہوئے اللہ رب العزت کی اطاعت میں ہمیشہ کمربستہ رہے۔ انسان اگر برے افعال سرانجام دے گا تو آخرت میں اس کا بدلہ پائے گا اور اگر اچھے اعمال سرانجام دیتا ہے تب بھی اسے اس کا بدلہ ملے گا۔ مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں:

صورتے کاں بر نہادت غالب ست ہم بر اں تصویرِ حشرت واجب ست

(دنیا میں جو صورت تمہارے وجود پر غالب ہے اس صورت پر (قیامت کو) تمہارا حشر ہونا واجب ہے۔)

یعنی ایک شخص کی زندگی جن اخلاق و اطوار اور جن حالات و مشاغل میں بسر ہوئی ہے انہی کی مناسب صورت میں وہ اٹھے گا۔[14]

اسلام ایک ایسا معاشرہ چاہتا ہے جس میں خیر و شر کے پیمانے متعین ہوں۔ اور افراد معاشرہ ان سے سرمو تجاوز نہ کریں۔ اگر تجاوز ہو تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اصول اپنایا جائے۔ ہر فرد اس پر عمل کرے۔ بدی سے خود بھی بچے اور دوسروں کو بچانے کے لیے بھی کوشش کرے۔ یہ کوشش

[11] القرآن، سورۃ النساء: ۱/۴

[12] القرآن، سورۃ البقرۃ: ۲/ ۲۱۳

[13] القرآن، سورۃ آل عمران: ۱۹/۳

[14] مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا رومؒ، دفتر اول، حصہ دوم، ص: ۵۷۶

انفرادی بھی ہو سکتی ہے اور اجتماعی بھی۔ اسلام نے سب سے پہلے ان امور کی نشاندہی کی جو معاشرے کے لیے مہلک ثابت ہوتے ہیں۔ وہ گناہ بھی بتائے جو فرد اور جماعت کے ایمان کو ضائع کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد ادارہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا بیان کیا۔ اس میں بھی باہمی حسن ظن کو اصل اول قرار دیا۔ مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ محض بدگمانیوں کی بنا پر نہی عن المنکر کو چلائیں۔ وہ امور جن سے افراد معاشرہ کو مجتنب رہنا چاہیے وہ: "کبائر، بدگمانی، تجسس، حسد و بغض، ناجائز حمایت، غیبت اور جھوٹی گواہی" وغیرہ ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اجتنبوا السبع الموبقات، قيل : يا رسول الله ، وما هن ؟ قال : " الشرك بالله ، والسحر ، وقتل النفس التي حرم الله إلا بالحق ، واكل مال اليتيم ، واكل الربا ، والتولي يوم الزحف ، وقذف المحصنات الغافلات المؤمنات "[15]

(سات ہلاک کر دینے والی باتوں سے بچو۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! وہ کون سی باتیں ہیں؟ فرمایا: کسی کو خدا کا شریک ٹھہرانا، جادو کرنا، اس کو جان سے مار ڈالنا جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے مگر حق شرعی کے طور پر مار ڈالنا جائز ہے۔ سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، لڑائی کے روز پشت دکھانا یعنی میدان جنگ یا جہاد سے بھاگ جانا، پاک دامن مؤمن اور بے خبر عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا ہے۔)

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

" كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ "[16]

(تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہے تم لوگ بھلے کاموں کو بتلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو۔)

" وَ لْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ "[17]

(اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی ضروری ہے کہ خیر کی طرف بلایا کرے اور نیک کام کرنے کو کہا کرے اور برے کاموں سے روکا کرے۔)

ان آیات و احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ معاشرتی نظم کو ہر قیمت پر برائیوں سے پاک رکھنا چاہیے۔ انفرادی برائیاں بڑھ کر اجتماعی شر کی صورت اختیار کر لیتی ہیں اس لیے اسلامی معاشرہ انہیں آغاز ہی میں ختم کرنے کا انتظام کرتا ہے۔ چونکہ اسلامی معاشرہ باہمی خیر و فلاح کے اصول پر قائم ہے لہذا ہر وہ عمل جو اسے نقصان پہنچائے مٹ جانا چاہیے۔ ان کے علاوہ اسلامی معاشرے میں پاکیزگی، ضبط نفس، لہو و لعب سے اجتناب، رواداری، فاسد رسوم سے کنارہ کشی اور معاشری عدم توازن سے بچاؤ کے اصول بھی نافذ رہیں گے۔ حقیت یہ ہے کہ پہلے تین اصول مکمل طور پر اپنا لیے جائیں تو باقی چیزیں از خود ہوتی چلی جائیں گی۔

---

[15] صحيح المسلم، مسلم بن الحجاج القشيرى، (مكتبه رحمانيه، اردو بازار لاہور، پاكستان، ۲۰۰۴ء)، كتاب الايمان، باب بيان الكبائر و اكبرها، حدیث نمبر: ۲۶۲

[16] القرآن، سورۃ آل عمران: ۱۱۰/۳

[17] القرآن، سورۃ آل عمران: ۱۰۴/۳

ہمدردی و ایثار

ہمدردی و خیر خواہی اور ایثار و قربانی کا جذبہ دراصل انسان کی بے غرضی اور خلوص کی دلیل ہے۔ قرآن و حدیث نے اس جذبہ ہمدری و ایثار کو مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے۔ مثلاً حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

"بينما نحن في سفر مع النبي صلى الله عليه وسلم، إذ جاء رجل على راحلة له، قال: فجعل يصرف بصره يمينا وشمالا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له، ومن كان له فضل من زاد فليعد به على من لا زاد له "، قال: فذكر من اصناف المال ما ذكر حتى راينا انه لا حق لاحد منا في فضل"۔[18].

(ہم سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ ایک شخص اونٹنی پر سوار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس زائد سواری ہو، وہ اس کو دیدے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس کے پاس سفر خرچ) اپنی ضرورت سے (زائد ہو، وہ اس کو دیدے جس کے پاس سفر خرچ نہیں ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی قسم کے مال بیان کئے، یہاں تک کہ ہم یہ سمجھے کہ ہم سے کسی کا اس مال میں کوئی حق نہیں ہے جو اس کی ضرورت سے زائد ہو۔)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لا تحاسدوا، ولا تناجشوا، ولا تباغضوا، ولا تدابروا، ولا يبع بعضكم على بيع بعض، وكونوا عباد الله إخوانا المسلم اخو المسلم لا يظلمه، ولا يخذله، ولا يحقره التقوى هاهنا، ويشير إلى صدره ثلاث مرات، بحسب امرئ من الشر ان يحقر اخاه المسلم كل المسلم على المسلم، حرام دمه، وماله، وعرضه "۔[19]

(حسد مت کرو، دھوکے بازی نہ کرو، بغض مت رکھو، دشمنی مت کرو، کوئی تم میں سے دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے اور اللہ کے بندو آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے، نہ اس کو ذلیل کرے، نہ اس کو حقیر جانے۔ اور اشارہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینے کی طرف تین بار۔ کافی ہے آدمی کو یہ برائی کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے، ایک مسلمان کی سب چیزیں دوسرے مسلمان پر حرام ہیں اس کا خون، مال، عزت اور آبرو۔)

احساس ذمہ داری

اجتماعی شور پیدا کرنے، اسے بیدار رکھنے اور موثر بنانے کے لیے اسلام نے جو اقدامات کیے ہیں ان میں بہت اہم فرد کا اپنا احساس ہے۔ فرد کو اس امر کا احساس دلایا گیا ہے کہ وہ اپنے گناہوں کا تنہا ذمہ دار ہے۔ جو سزا اسے ملتی ہے اسے کوئی اور نہیں اٹھائے گا۔ معاشرتی جرائم کی ایک سزا تو اجتماعی ہے جسے معاشرہ ہی نافذ کرتا ہے لیکن اس کا انفرادی معاملہ اس کے رب کے ساتھ ہے۔ جسے اس کو ہی نبٹانا ہے کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں ہوگا۔ لہٰذا اسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنا چاہیے اور اپنا فرض پورا کرنے میں دوسروں کی طرف نہیں دیکھنا چاہیے۔ اسے یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ فلاں شخص نیکی نہیں کر رہا تو میں کیوں کروں۔ اسے صرف اپنا دامن گناہوں سے محفوظ رکھنا چاہیے۔ اس کا معاشرتی فائدہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنا احتساب کرتا ہے اپنی

---

[18] صحيح المسلم، كتاب اللقطة، باب استحباب لمؤاساة بفضول المال، حدیث نمبر:۴۵۱۷

[19] ایضاً، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم ظلم المسلم، حدیث نمبر:۶۵۴۱

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

اصلاح کرتا ہے اور اپنی برائیوں کے لیے دوسرے کو نمونہ نہیں بناتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر اکا دکا کہیں کسی نازیبا حرکت کا ارتکاب کر بیٹھے تو وہ اپنے آپ کو اجنبی محسوس کرتا ہے، عریاں سمجھتا ہے اور اپنی اصلاح کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

"عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ"[20]

(اپنی فکر کرو جب تم سیدھی راہ پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ رہے اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں۔)

"وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ"[21]

(اور جو کوئی (برا) فعل کرتا ہے تو اس کا نقصان اسی کو ہوتا ہے اور کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔)

"اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ"[22]

(اگر اچھے کام کرتے رہو گے تو اپنے ہی نفع کے لیے اچھے کام کرو گے اور اگر برے کام کرو گے تو (ان کا) وبال بھی تمہاری جانوں پر ہو گا۔)

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ فرد اصلاح کی اجتماعی ذمہ داری سے بری ہو گیا وہ ذمہ داری اس کے سر ہے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ سے اسے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

"الا كلم راع و كلكم مسؤل عن رعيته"[23]

(تم سب نگران ہو اور تم سب اپنے ماتحتوں کے بارے میں جواب دہ ہو۔)

اسلام کا معاشرتی نظام ان اصولوں پر قائم ہے اور اپنی خصوصیات کی بدولت دنیا کے تمام معاشرتی نظاموں سے مختلف اور منفرد ہے۔ اسلام کا معاشرتی نظام خیر و صلاح، طہارت و تقدس، ہمدردی و خیر خواہی اور اعتدال و توازن پر قائم ہے۔ اس نظام میں انسان کی انفرادی اور اجتماعی بہبود کا پورا انتظام موجود ہے۔[24]

معاشرتی امن میں اخلاقیات کی ضرورت و اہمیت

گزشتہ کئی صدیوں سے معاشرہ کو پُرامن رکھنے کی کوششیں کی گئی ہیں اور معاشرہ کی پُرامن بقا کے لیے بہت سی تحریکات بھی اٹھائی گئی ہیں کہ اسلامی معاشرت کے احیا کی شکلیں پیدا کی جائیں، مگر بہ استثنائے چند اس باب میں زیادہ تر کوششیں ناکام ٹھہری ہیں۔ اسلامی معاشرت کے قیام کی یہ کوششیں ناکام یا ادھوری کیوں رہتی ہیں؟ اس کا باعث اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہماری کوششوں کا رخ سنت کے مطلوبہ منہج سے دور ہے۔[25]
حساس و باشعور طبقہ اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ یہ دور جس میں ہم سانس لے رہے ہیں، ایسا بدترین دور ہے، جس میں نافرمانی، شہوت پرستی، برائی، بے حیائی اور اوچھی حرکتوں اور کمینہ خصلتوں کا جیسے سیلاب اُمڈ رہا ہے۔ بھلے برے کی تمیز اٹھ گئی ہے، نیکی پر بدی اور بدی پر نیکی کا لیبل چڑھا ہوا ہے،

---

[20] القرآن، سورۃ المائدۃ:۵/۱۰۵

[21] القرآن، سورۃ الانعام:۶/۱۶۴

[22] القرآن، سورۃ بنی اسرائیل:۱۷/۷

[23] سنن الترمذی، امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ، (دارالتاصیل، قاھرۃ، ۱۴۳۷ھ)، کتاب الجھاد عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی الامام، حدیث نمبر:۱۷۰۵

[24] اسلام کا معاشرتی نظام، ڈاکٹر خالد علوی، (الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، ۲۰۰۹ء)، ص:۶۲

[25] اسلامی آدابِ معاشرت، ص:۱۸

کھلے بندوں گناہ کیا جاتا ہے۔ گنتی کے چند افراد کو چھوڑ کر عام لوگوں کے دلوں سے گناہ کا احساس تک مٹ چکا ہے اور اس کا سد باب کرنا تو دور کی بات ہے، ہمہ گیر اور بلند پیمانے پر ایسا کوئی نظام بھی قریب و دور نظر نہیں آتا جو عام لوگوں کو معصیت اور منکر سے باز رکھے، بیشتر شہروں اور قصبوں میں فحاشی، بے حیائی اور بدکاری کے اڈے کھلے ہیں، شراب و شباب کی دکانیں لگی ہیں، لہو و لعب بے پردگی اور آوارگی کا بازار گرم ہے۔ جگہ جگہ گناہوں کی طرف مائل کرنے والی چیزوں کی نمائش گاہیں سجی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف مسجدیں اور تقرب الٰہی کی بارگاہیں سنسان پڑی ہیں۔ہاں کہیں کہیں کچھ اللہ کے نیک بندے ایسے ضرور ہیں، جو اس گئے گزرے دور میں بھی اپنے دین سے اس طرح چمٹے ہوئے ہیں جیسے کوئی ہاتھوں میں دہکتا ہوا انگارا اٹھائے ہوئے ہو۔ اس زبوں حالی اور ابتری کے چند اسباب حسب ذیل ہیں:

☆ دینی عقائد اور شرعی احکام سے عام طور پر جہالت اور لاعلمی پائی جاتی ہے۔

☆ علمائے کرام کا خاصا بڑا طبقہ سہل پسندی اور آسائش و آرام کا شکار ہے۔ عوام الناس کو سیدھا راستہ دکھانے کا کام ایک عرصے سے انہوں نے بند کر رکھا ہے اور لوگوں کو یہ سمجھانا بھی چھوڑ دیا ہے کہ گناہ اور معصیت کے نتائج کیسے بدترین رونما ہوتے ہیں اور جلد یا بدیر ان کی کیسی کیسی سزائیں ملنے والی ہیں۔

☆ مسلم حکام نے شرعی احکام کے نفاذ اور ان پر عمل درآمد میں مجرمانہ غفلت سے کام لیا ہے۔ جن حدود اور سزاؤں کا کتاب و سنت میں صریح ذکر ہے اور قرآن اور صحیح احادیث سے جن کا ثبوت ملتا ہے، ان سے بے توجہی برتی جاتی ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مجرم اور فاسق حرام اور تباہی کے کام ڈنکے کی چوٹ پر کر رہے ہیں۔

☆ پھر یہ معاملہ سستی اور بے پروائی تک ہی محدود نہیں، بلکہ افسوس تو یہ ہے کہ حکام نے چکلوں اور شراب خانوں کی اجازت دے رکھی ہے۔ شراب پینے، بے حیائی کرنے اور عورتوں کی سج دھج کر بے پرداہ نکلنے کی حوصلہ افزائی کی ہے، لہو و لعب، دھوکہ دہی اور فسق و فجور پر ان کے نزدیک کوئی روک ٹوک نہیں اور حد تو یہ ہے کہ وہ سود بھی ان کے نزدیک جائز اور مباح ہے جن کے کھانے والوں کے بارے میں قرآن پاک پوری گھن گرج کے ساتھ کہتا ہے:

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾"[26]

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو، تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے، اس کو چھوڑ دو، پھر اگر ایسا نہ کرو، تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ اور اگر توبہ کر لو (اور سود چھوڑ دو) تو تم کو اصل مال لینے کا حق ہے، نہ تم کسی کا نقصان کرو اور نہ کوئی تمہارا نقصان کرے۔[27])

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سلسلے کی تاکید:

"وَ لْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾"[28]

(اور تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو (لوگوں کو) نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔)

---

[26] القرآن، سورۃ البقرۃ: ۲/۲۷۸، ۲۷۹

[27] معاشرے کی مہلک بیماریاں اور ان کا علاج، الشیخ احمد بن حجر، مترجم: نصیر احمد ملی، (مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۳ء)، ص: ۱۲، ۱۳

[28] القرآن، سورۃ آل عمران: ۳/۱۰۴

اس فریضہ کا بنیادی مقصد بھی یہی ہے کہ طغیانی، نافرمانی، سرکشی، اخلاقی پستی اور بگاڑ کی بیخ کنی ہو اور صالح اور نیک معاشرہ قائم ہو اور یہ حقیقت ہے کہ اس فریضہ پر ٹھیک ٹھیک عملدرآمد کے بغیر کوئی ملک و ملت یا دین اور آئین ہر گز ہر گز پنپ نہیں سکتا اور جن قوموں نے اس فریضہ سے اغماض برتا، ان کے اندر انارکی، بداخلاقی، شر اور فساد بڑھا اور رفتہ رفتہ یہ قومیں زوال اور اضمحلال کا شکار ہوتی چلی گئیں۔[29]

☆ ہماری نئی پود اور مسلم نوجوانوں نے غیر مسلم اقوام کی ہو بہو نقل کو اپنا شیوہ اور طریقہ بنالیا ہے۔ گندی عادتوں اور ناپاک خصلتوں کو آنکھ بند کر کے اپنالیا ہے۔ ان کے کھانے، پینے، پہننے، اوڑھنے اور رہنے سہنے کا کوئی طریقہ کتنا ہی عقل و تدبر کے خلاف ہو، طبع سلیم اور فطرت مستقیم اس کی خواہ کتنی ہی مخالفت کیوں نہ کرے، ان سے شرم اور ننگ و عار نہیں کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں زناکاری کی اجازت ہے، آوارہ اور اوباش لڑکوں سے دوستی کوئی برائی نہیں، بدکاری اور بے حیائی کے اڈوں، فاسقوں، فاجروں کے ساتھ وقت گزاری میں چنداں مضائقہ نہیں، عورتوں کی چال ڈھال، ان کے عشوہ ناز اور پوشاک میں مشابہت کوئی عیب نہیں، نشہ آور اشیاء اور شراب و کباب غرض تمام چیزوں کو اپناتے اور برتتے ہوئے، ان کے اندر یہ احساس تیز ہوتا ہے کہ اس طرح وہ ایٹمی دور کا ساتھ دے رہے ہیں۔ جدیدیت مغربی تہذیب و تمدن اور روز بروز بدلتی ہوئی قدروں کے لے کر چل رہے ہیں، لیکن افسوس غیر قوموں کی ان خصلتوں کا دیوانہ بننا وہ پسند کرتے ہیں، مگر ان اقوام کے علوم و فنون، لگاتار کوشش اور پیہم محنت و عمل سے مجرمانہ غفلت برتتے ہیں، جب کہ یہی وہ گنج ہائے گراں مایہ ہیں، جنہوں نے ان قوموں اور خطوں کو علمی اور سائنسی ایجادات کی بدولت کہاں سے کہاں پہنچادیا ہے اور یہ ایسی حقیقت ہے جو سورج سے زیادہ عیاں ہے۔

☆ زہریلے افکار، تباہ کن خیالات اور مسموم نظریات کا ایمان و یقین اور دین و شریعت سے براہ راست تصادم ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، چنانچہ خالقِ کائنات اور اس کے وجود کا انکار، مرنے کے بعد اٹھایا جانا اور قیامت کو نہ ماننا اور اس سلسلے میں مسلمانوں، خصوصاً پڑھے لکھے طبقے میں شکوک و شبہات پیدا کرنا، رسول اقدس ﷺ کی ذات اطہر پر کیچڑ اچھالنا، کتاب و سنت کے احکام کا مذاق اڑانا اور ایسے شبہات پیدا کرنا جن کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان سے مسلمانوں کے دلوں میں ایمان کی جڑیں کمزور ہو رہی ہیں، جس کے رد عمل میں نوجوان، ایمان اور اسلام سے دور ہو رہے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ جب دلوں سے ایمان کی جڑیں کمزور ہوں گی، یا سرے سے یہ پودا ہی نیست و نابود ہونے لگے گا (والعیاذ باللہ) تب بھلا کون سی رکاوٹ باقی رہے گی، ہر فحاشی اور بے حیائی کا ارتکاب آسان ہو گا، حرام کاری کے دروازے چوپٹ کھل جائیں گے اور دشمنان اسلام کی تمام تر کوششیں اور کاوشیں اس کے سوا اور کیا ہیں۔[30]

مولانا رومؒ اور معاشرتی امن

مولانا رومؒ کے نزدیک معاشرہ کے دائمی امن کے لیے کچھ ایسے اصول ہیں اگر ان پر عمل کیا جائے تو یقیناً معاشرہ میں افراتفری، بے راہ روی، بے سکونی اور دیگر معاشرتی نفسیاتی مسائل کا خاتمہ ممکن ہو سکتا ہے۔ مولانا جلال الدین رومیؒ کے معاشرتی امن کے لیے وہی اصول ہیں جو قرآن و سنت میں موجود ہیں۔ وہ چند اصول اشعار کی صورت میں بذیل ہیں:

آپؒ کے ہاں دنیا ناپائیدار شئے ہے۔ حضرت آدم علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام سے لے کر آج تک بکثرت اولادِ آدم آئی سب کو اس دنیا سے راہِ عدم ہونا پڑا ہے۔ اس لیے جب تک اس دنیا میں بندہ موجود ہے تب تک اچھے کردار و اخلاق کے ساتھ اس دنیا میں قیام کرے۔ کسی کی دل آزاری کا باعث نہ بنے۔ اس کو اپنے شعر میں خوبصورت انداز میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

آخر آدم زادہِ اے ناخلف　　　　چند پنداری تو پستی را شرف

---

[29] معاشرے کی مہلک بیماریاں اور ان کا علاج، ص:۱۵

[30] ایضاً، ص:۱۶

(اے کپوت (ناخلف) آخر تو آدم علیہ السلام کی اولاد ہے۔ کہاں تک (تحصیل دنیا) کی پستی کو بزرگی سمجھتا رہے گا۔[31])

آپؒ معاشرے میں موجود اچھے اور برے اخلاق کے حامل لوگوں کی علامات و خصوصیات اور اوصاف کے متعلق فرماتے ہیں کہ نیک لوگ پیغمبروں کے اخلاق کو اپنائے ہوئے ہیں اور برے لوگ شیطان کے رنگ کو لیے ہوئے ہیں۔ لہٰذا معاشرہ کو درست کرنا ہے تو پیغمبری رنگ کو اختیار کرنا ہوگا اور ایسے ہی لوگوں کی ہمنشینی اختیار کرنا ہوگی تاکہ معاشرہ میں امن و سکون رہے۔ آپ فرماتے ہیں:

رنگہائے نیک از خمِ صفاست　　　رنگِ زشتاں از سیاہ آبہ جُفاست

(نیک رنگ (صدق و صفا) کے (پیغمبری) مٹکے سے ہیں برے لوگوں کا رنگ ظلم کے (شیطانی) گندے پانی سے ہے۔[32])

معاشرہ میں اگر امن کو قائم رکھنا ہے تو رحم طلب کرنے والے پر رحم کیا جائے تاکہ وہ مایوس ہو کر معاشرتی ناسور نہ بن جائے۔ نیز کمزوروں پر رحم کرنے کی تاکید قرآن و سنت میں بھی آئی ہے۔ مولنا جلال الدین رحمۃ اللہ کے ہاں بھی یہی ہے کہ کسی کمزور پر ظلم نہ کیا جائے کیوں کہ کمزور پر ظلم کی وجہ سے معاشرہ کی چولیں ہل کر رہ جاتی ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں:

رحم خواہی رحم کن بر اشکبار　　　رحم خواہی بر ضعیفاں رحمت آر

(اگر تم (اللہ سے اپنے لیے) رحم چاہتے ہو تو آبدیدہ (ہو کر معافی مانگنے والے) پر رحم کرو۔ اگر تم رحم کے خواستگار ہو تو (پہلے خود) کمزوروں پر رحم کرو۔)

اس شعر میں دو باتوں کی تعلیم فرمائی ہے۔ ایک تو یہ کہ اگر کوئی قصور وار اپنی تقصیر پر عذر پیش کرے اور معافی مانگے تو ازراہِ ترحم اس کو معاف کر دینا چاہیے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

"من اعتذر الی اخیه فلم یعذروه اولم یقبل عذره وکان علیه مثل خطیئة صاحب مکس"[33]

(جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کے پاس عذر کرے تو وہ اس کو معذور نہ رکھے یا (یوں فرمایا کہ) اس کا عذر قبول نہ کرے تو اس پر عشر وصول کرنے والے کا سا گناہ ہے۔)

مالیانہ (ٹیکس) وصول کرنے والا جب کسی غریب کے اس عذر کو نہ سنے کہ میری اراضی میں پیداوار نہیں ہوئی اور زبردستی اس سے مالیانہ وصول کرنے لگے تو وہ گنہگار ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ سے رحم کی آرزو ہے تو اسے خود بھی لوگوں پر رحم کرنا چاہیے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من لا یَرحم لایُرحم"[34]

(جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ اللہ اس پر رحم نہیں کرے گا۔)

ایک اور حدیث میں آیا ہے:

---

[31] مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا رومؒ، دفتر اول، حصہ اول، ص:۲۳۶

[32] ایضاً، ص:۲۹۳

[33] سنن ابن ماجه، امام ابو عبدالله محمد بن یزید ابن ماجه، (دارالتاصیل، قاهرة، ط اول، ۱۴۳۵ھ)، کتاب الادب، باب المعاذیر، حدیث نمبر:۳۷۱۸

[34] صحیح البخاری، امام ابو عبدالله محمد بن اسماعیل بن ابراہیم الجعفی، (دارالتاصیل، القاهرة، ط اول، ۱۴۳۳ھ)، کتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم، حدیث نمبر:۵۹۹۷

"ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء"[35]

(یعنی تم زمین والوں پر رحم کرو۔ آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔[36])

جس معاشرہ میں ظلم و بربریت ہو وہ معاشرہ کماحقہ اسلامی اخلاقی اقدار کے سانچے میں نہیں ڈھل سکتا۔ وہ معاشرہ جلد ہی تباہ ہو جاتا ہے۔ ظلم کے نتائج برے ہوتے ہیں۔ اس لیے معاشرہ کو پرامن رکھنا ہے تو معاشرہ سے ظلم و ناانصافی کا خاتمہ کرنا ہو گا تبھی جا کر معاشرہ امن کی راہ پر لگ سکے گا۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

آہن و سنگ از ستم بر ہم مزن کایں دو میزانید ہمچوں مرد وزن

(اے مخاطب!) ستم کے آہن و سنگ کو ایک دوسرے سے نہ ٹکراؤ کیونکہ یہ دونوں مرد و زن کی طرح (باہم مقترن ہو کر نتائج بد کا بچہ) جنتی ہیں۔)

سنگ و آہن کے ذکر میں ضمناً یہ نصیحت فرماتے ہیں کہ کسی پر ظلم نہ کرو۔ اس سے بہت برے نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ ظلم سے نتائجِ بد پیدا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس ایک گناہ کی وجہ سے ظالم کے سر پر اور بہت سے گناہوں کا بوجھ آن پڑتا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ان المفلس من امتی من یاتی یوم القیمة بصلوۃ و صیام و زکوۃ و یاتی قد شتم هذا و قذف هذا و اکل مال هذا و سفک دم هذا و ضرب هذا فیعطی هذا من حسنته و هذا من حسنته و هذا من حسنته فان فنیت حسنته قبل ان یقضی ماعلیه اخذ من خطا یاهم فطرحت علیه ثم طرح فی النار"[37]

(میری امت میں سے مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز اور روزہ اور زکوٰۃ کے ساتھ آئے گا۔ اور (ساتھ ہی اس مجرمانہ حیثیت سے) آئے گا کہ اس نے (ایک) کو گالی دی تھی اور اس (دوسرے) پر زنا کی تہمت لگائی تھی اور اس (تیسرے) کا مال کھا لیا تھا اور اس چوتھے کو جان سے مار ڈالا تھا۔ اور اس (پانچویں) کو مارا پیٹا تھا تو اس کی نیکیوں میں سے کچھ اس کو دلایا جائے گا۔ اور کچھ اس کو پھر اگر اس کی تمام نیکیاں قبل اس کے کہ سارے حقوق جو اس کے ذمہ ہیں ادا ہوں ختم ہو جائیں تو ان لوگوں کے گناہوں کو لے کر اس کے سر پر ڈالا جائے گا اور پھر اس کو دوزخ میں گرا دیا جائے گا۔[38])

ہمارے معاشرے میں اکثر لوگوں کا یہ طرہ امتیاز ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کو برا کہتے ہیں۔ اس طرح سے ایک تو ارد گرد موجود سننے والے کی اخلاقی تربیت پر برا اثر پڑتا ہے تو دوسرا جس کے متعلق برا کہا جا رہا ہو اسے جب اس بات کا علم ہو گا کہ مجھے فلاں شخص نے برا کہا ہے تو لازمی طور پر ان دونوں کے درمیان رنجش پیدا ہو گی۔ ممکن ہے یہ رنجش دو خاندانوں کو ہی نہیں بلکہ دو قبیلوں کے درمیان نفاق کا باعث بن جائے۔ اس لیے مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں کہ دوسرے کے عیوب کو اپنے عیوب سمجھو اور اپنی اصلاح کی کوشش کرو۔ جب تم کسی دوسرے کے عیب کو اپنا عیب سمجھنے لگے تو یقینی طور پر کسی کو برا کہنے اور اس کے معاشرتی بد اثرات سے محفوظ رہ سکو گے:

گر نہ کوری ایں کبودی داں زخویش خویش رابد گو مگو کس را تو پیش

[35] سنن الترمذی، کتاب البر والصلة عن رسول اللهﷺ، باب ماجاء فی رحمة الناس، حدیث نمبر:۱۹۲۴

[36] مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم، دفتر اول، حصہ اول، ص:۳۰۷

[37] صحیح المسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب تحریم الظلم، حدیث نمبر:۶۵۷۹

[38] مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا رومؒ، دفتر اول، حصہ اول، ص:۳۱۱

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

(اگر تو کور باطن نہیں ہے تو اس تاریکی کو اپنے ہی طرف سے سمجھ۔ اپنے آپ کو برا کہہ۔ آیندہ کسی اور کو برا مت کہو۔)

یعنی خود تمہاری صفاتِ ذمیمہ دوسروں کو عیب دار دکھاتی ہیں۔[39] آپؒ اس کے متعلق مزید فرماتے ہیں:

غافل اند ایں خلق از کو دبے خبر　　　　لاجرم گویند عیب ہمد گر

(چونکہ یہ لوگ جو اپنے (عیوب) سے بے خبر ہیں۔ (خود اپنی حالت سے) غافل ہیں۔ اس لیے ایک دوسرے کے عیب بیان کرنے لگتے ہیں۔)

لوگوں کا ایک دوسرے کے عیب بیان کرنا مبنی ہے اس پر کہ وہ اپنی حالت سے غافل ہیں۔ یعنی اصلاحِ عادات و تہذیب خصائل کی ان کو فکر نہیں۔ اگر یہ فکر ہو تا تو ان کو کسی دوسرے کے عیب میں مشغول ہونے کی فرصت ہی نہ ملتی اور وہ اپنی حالت سے غافل اس لیے ہیں کہ ان کو اپنے عیوب کی خبر تک نہیں۔ اگر ان کو اپنے عیوب کا کچھ احساس ہو تا تو وہ اپنی حالت سے یوں غافل اور بے پرواہ نہ ہوتے۔[40]

معاشرہ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اسلام کی حقیقت سے ناشناس ہوتے ہیں۔ وہ لوگ توحید کو غلط رنگ دے کر لوگوں کے درمیان انتشار کا باعث بنتے ہیں۔ چاہے وہ لوگ تصوف کے لبادے میں ہوں یا مذہبی مصلحین کے روپ میں۔ ان کا مطمع نظر لوگوں کو اپنا ہمنوا بنانا ہوتا ہے ان کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ ان کے کسی کفریہ فتویٰ کے نتیجہ میں معاشرتی انتشار کا کس قدر طوفان بپا ہونے والا ہے۔ آپؒ نے ایسے لوگوں کو ظالم کا لقب دیا ہے:

ظالم آں قومیکہ چشماں دوختند　　　　وز سخنہا عالمے را سوختند

(ظالم ہیں وہ (ظاہر پرست و حقیقت ناشناس) لوگ جنہوں نے (اپنی) آنکھوں پر پٹی باندھ کر (توحید کی باریک) باتوں سے ایک جہان میں (فتنے کی) آگ لگا دی۔)

یعنی اس سے وہ مدعیانِ فقر مراد ہیں جو آدابِ شرع سے عاری اور مصالح دین سے نابلد ہیں۔ طریقت کے سربستہ اسرار کو جن کا تعلق صرف ذوق و وجدان کے ساتھ ہے، ایسے الفاظ میں بیان کرنے کا ارتکاب کرتے ہیں، جو عقائدِ شرعیہ کے خلاف ہیں اور وہ اس طرزِ عمل سے اسلام میں فتنہ و فساد اور اسلامی جماعتوں میں نزاع و عناد پیدا کر دیتے ہیں۔[41]

معاشرہ کو پُر امن رکھنے کا ایک اور طریقہ مولانا جلال الدین رومؒ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر معاشرہ کو پر امن رکھنا ہے تو خوشامد کا ماحول ختم کرنا ہو گا۔ کیونکہ یہی خوشامد کا تسلسل بندے کو متکبر بنا دیتا ہے اور یہی متکبر شخص بعد میں لوگوں پر ظلم و ستم ڈھانے کا سبب بنتا ہے۔ لوگوں کے حقوق غصب کرنا ایسے خوشآمد پسند لوگوں کا وطیرہ بن جاتا ہے:

نفس از بس مدحہا فرعون شد　　　　کن ذلیل النفس ھونا لاتسد

(نفس (اپنی) زیادہ تعریفوں (کے سننے) سے فرعون (کی طرح سرکش و مغرور) بن گیا۔ (اے مخاطب) تم خاکساری سے منکسر مزاج بن جاؤ اور سرداری (میں جاہ و منزلت) کی خواہش نہ کرو۔)

یعنی کثرتِ مدح سے ممدوح کے نفس میں عُجب و غرور پیدا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اپنی تعریف و توصیف کا اس قدر خوگر ہو جاتا ہے کہ ہر شخص کے ذمے یہ فرض سمجھتا ہے کہ وہ اس کی تعریف کرے۔ وہ اپنے آپ کو دنیا بھر کی ستایشوں کا مستحق سمجھتا ہے اور اپنے سے برتر کسی طاقت کا خیال دل میں نہیں

---

[39] ایضاً، حصہ دوم، ص:۴۷۵

[40] ایضاً، دفتر دوم، حصہ دوم، ص:۳۰۷

[41] ایضاً، دفتر اول، حصہ دوم، ص:۵۵۰

لاتا۔ اور یہی مفہوم ہے فرعونیت کا۔ جیسے کہ بعض بادشاہ اپنے اہلِ دربار کی گوناگوں خوشامدوں اور شاعروں کے غلو آمیز مدحیہ قصیدوں کو سن کر کبر و غرور سے سرمست ہو جاتے ہیں۔ لاتُسد کا یہ مطلب نہیں کہ اگر قدرتِ ربانی تم کو کسی جماعت کی اصلاحِ حال و تدبیر شیون کے لیے زمام حکومت دیتی ہے تو اس سے پہلے تہی کرو۔ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ تم اپنے دورانِ حکومت میں اپنی شان و منزلت کی نمایش کے لیے کسرایت و قیصریت اختیار نہ کرو۔[42]

معاشرہ کو پُرامن رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ معاشرتی افراد اپنے ہر ہر قدم کا محاسبہ کریں۔ زندگی گزارتے ہوئے، لوگوں کے ساتھ معاملات طے کرتے ہوئے ہر لحظہ احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ مولانا رومؒ کا اس بارے میں نظریہ بذیل ہے:

چوں درو گامے زنی بے احتیاط — شِیر تو خوں مے شود از اختلاط

(جب اس (دنیا) میں تو بے احتیاطی سے قدم رکھے گا تو تیرا (اعمالِ صالحہ کا) دودھ (مناہی و معاصی کی) ملاوٹ سے خون (کی طرح ناپاک) ہو جاتا ہے۔)

اعمالِ صالحہ میں اگر کمالِ اخلاص اور غایت مرعی نہ رہے تو مختلف معاصی کے شوائب ان کو باطل و فاسد کر دیتے ہیں۔ اس میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، خیرات و مبرات وغیرہ تمام عبادات و طاعات اور محاسن و مکارم کا یکساں حال ہے۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں جابجا موجود ہے۔[43]

ہمارے معاشرے کی پستی کی ایک اہم وجہ لوگوں کا آنکھیں بند کر کے بری تقلید کرنا ہے۔ اس بری تقلید میں الیکٹرانک، سوشل و پرنٹ میڈیا کا بے جا استعمال بھی ہے۔ ہمارے معاشرے میں جو چیز اسکرین پر دکھائی جائے تو لوگ کو بغیر کسی شک کے اس پر اندھا یقین کر بیٹھتے ہیں۔ اگر اس میڈیا کے ذریعے انہیں مار دھاڑ دکھائی جائے تو ہمارے معاشرتی افراد بھی اس چیز کی تقلید میں لگ جاتے ہیں۔ لوگوں پر ظلم و ستم کے نت نئے طریقے ان ذرائع سے سیکھ کر معاشرہ پر آزماتے ہیں۔ اس کی وجہ سے معاشرہ حقیقی طور پر غیر محفوظ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس قبیح فعل کو اگر نہ روکا گیا تو ہمارا معاشرہ دورِ جاہلیت کی عملی تصویر بن جائے گا۔ اس اندھی تقلید کی مذمت کرتے ہوئے مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

زاں کہ تقلید آفتِ ہر نیکوی ست — کہ بود تقلید اگو کوہِ قوی ست

(کیونکہ تقلید (مذموم) ہر نیکی کے لیے ایک آفت ہے (اس قسم کی) تقلید اگر (اپنی اہمیت و عظمت کے لحاظ سے) بھاری پہاڑ (کے برابر) ہے تو بھی غیر نافع ہونے کے اعتبار سے ایک تنکے کے برابر (بے حقیقت) ہے۔)

تقلیدِ مذموم جس کو بھیڑ چال کہتے ہیں۔ ایک لاشے اور فضول امر ہے۔ اس قسم کی تقلید سے اگر نیکی بھی کی جائے تو چونکہ وہ ذوق و شوق اور رغبت و ارادت سے خالی ہوتی ہے اور اس سے آگے کی بہتر حالت کی طرف ترقی کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ نیکی لاحاصل ہے۔[44]

معاشرہ کو پرامن رکھنا ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے ارد گرد کے ماحول سے مکمل طور پر باخبر رہا جائے۔ ہمارے ہاں اکثر یہ ہوتا ہے کہ ہم مشرق و مغرب کی خبریں تو رکھتے ہیں لیکن اپنے پڑوس میں ہونے والے معاملات سے بے خبر ہوتے ہیں۔ یہ بے خبری معاشرتی ہلاکت کا سبب بن سکتی ہے۔ اس بے خبر فرد کے بارے میں مولانا جلال الدین رومؒ فرماتے ہیں:

دور بینی کور دارد مرد را — ہمچو خفتہ در سرا کور از سرا
میکند از مشرق و مغرب گذر — وز رفیقِ ہمنشینش بے خبر

---

[42] ایضاً، ص:۶۲۳

[43] ایضاً، دفتر دوم، حصہ اول، ص:۲۰

[44] ایضاً، ص:۱۶۷

(دنیوی خبط کی) دور بینی آدمی کو (مصالحِ دارین سے) اندھا رکھتی ہے جیسے گھر کے اندر سویا ہوا آدمی گھر سے اندھا (ہوتا ہے) وہ مشرق و مغرب میں گھوم آتا ہے اور اپنے پاس بیٹھنے والے ساتھی سے بے خبر ہوتا ہے۔[45])

معاشرہ کی پُر امن بقا کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے اختلافات کو ختم کریں۔ کیونکہ اختلافات نے دنیا کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ اتحاد و یکجہتی معاشرہ کی بقا کی ضامن ہے۔ جس قوم میں اتحاد ہوتا ہے وہ مسلسل ترقی کرتی چلی جاتی ہے۔ اس اہم معاملہ کی طرف مولانا جلال الدین رومیؒ یوں متوجہ فرماتے ہیں:

زِ اختلافِ خویش سوئے اتحاد　　　　ہیں زِ ہر جانب رواں گر دید شاد

(اپنے اختلاف سے اتحاد کی طرف ہر سمت سے خوش خوش چل پڑو۔)

یعنی ایک امت کا وہ حقیقی نظام جو اتحادِ کامل پر متضمن ہو اسی صورت میں قائم ہو سکتا ہے کہ پہلے اندرونی اختلافات و نزاعات کا قلع قمع کر دیا جائے اور خانہ جنگی بند ہو جائے، مسلمانانِ عرب نے تمام روئے زمین پر اسی اتحاد کی بدولت غلبہ پایا اور اس وقت مسلمانوں کی قوت کا یہ عالم تھا کہ:

''اِنۡ یَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ عِشۡرُوۡنَ صٰبِرُوۡنَ یَغۡلِبُوۡا مِائَتَیۡنِ''[46]

(اگر تم مسلمانوں میں ثابت قدم رہنے والے بیس بھی ہوں گے (تو وہ) دو سو کافروں پر غالب رہیں گے۔)

مگر آج مسلمانانِ عالم اسی اتحاد کے نہ ہونے سے دنیا میں ایک مغلوب ترین قوم ہیں اور اس کی ذمہ دار خود ان کی خانہ جنگیاں، فرقہ بندیاں، خود غرضیاں اور نفس پرستیاں ہیں۔[47]

معاشرہ میں اختلاف و نزاع کا ایک سبب غصہ کی فضا بھی ہے۔ اس فضا کو ختم کرنے کے لیے ماہرینِ نفسیات نے اپنی خدمات پیش کرنا ہوں گی۔ کیونکہ مولانا رومؒ کے نزدیک غصہ کی وجہ سے معاشرہ درست خطوط پر استوار نہیں ہو سکتا:

خشم و شہوت مرد را احُول کند　　　　ز استقامت روح را مبدل کند

(غصہ اور خواہش آدمی کو دو بیں بنا دیتے ہیں (اور) روح کو راست روی سے پھیر دیتے ہیں۔[48])

معاشرتی عدم توازن کی ایک وجہ لوگوں کا خود غرضی کا شکار ہونا بھی ہے۔ خود غرض لوگ عمومی مصالح سے نظریں چراتے ہوئے اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر لگے رہتے ہیں اس دوران ان سے لوگوں کی حقوق تلفی بھی ہوتی ہے، لوگوں کے ساتھ بد اخلاقی سے بھی پیش آتے ہیں جس کی وجہ سے معاشرہ ایک کھینچاؤ کی صورت کا شکار ہو جاتا ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد　　　　صد حجاب از دل بسوئے دیدہ شد

(جب شائبہ غرض (درمیان) آگیا تو عمل کی خوبی دب گئی اور دل (غرضمند) سے سینکڑوں پردے آنکھوں پر پڑ گئے۔)

یعنی جب دل پر غرض نفسانی کا غلبہ ہو جاتا ہے تو اس کے ادراکات بھی غلط ہو جاتے ہیں کیونکہ حواس اکثر امور میں دل کے تابع ہیں۔[49]

---

45 ایضاً، حصہ چہارم، ص:۱۰۴۸

46 القرآن، سورۃ الانفال:۸/۶۵

47 مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا رومؒ، دفتر دوم، حصہ چہارم، ص:۱۰۵۲

48 ایضاً، دفتر اول، حصہ اول، ص:۱۶۲

49 ایضاً، ص:۱۶۲

ہمارا عمومی معاشرہ نہ سہی کسی اور معاشرہ کی ہی بات کریں تو جب تک اس میں انصاف کی عملداری نہ ہوگی، ججز فروخت ہو جائیں گے، رشوت کا چلن عام ہوگا تو معاشرہ بے سکونی کا شکار ہوگا۔ اس بے سکونی کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ لوگ قانون کو اپنے ہاتھ میں لیں گے اور آپ راجی کا دور شروع ہو جائے گا جس کی وجہ سے معاشرہ میں امن مفقود ہو جائے گا۔ اس اہم معاشرتی خرابی کی طرف مولانا روم توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

چوں دہد قاضی بدل رشوت قرار　　　　کے شناسد ظالم از مظلوم زار

(جب قاضی (یعنی جج) رشوت (کا لینا) دل میں ٹھان لے تو وہ ظالم اور بدحال مظلوم میں کیا فرق کرے گا۔)

یعنی جذباتِ نفسانیہ کی دو قسمیں ہیں ایک جزِ ملائم کا جذبہ جس کو شہوت کہتے ہیں، دوسرا دفعِ غیر ملائم کا جذبہ جس کا نام غضب ہے ایک منصف دو فریقوں میں انصاف اسی صورت میں کر سکتا ہے کہ اپنے ان دونوں جذبات سے متاثر نہ ہو لیکن جب منصف کے دل پر شہوت یا غضب چھا رہا ہو تو وہ انصاف نہیں کر سکتا۔ شہوت کے چھا جانے کی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک قاضی کا مقصد یہ ہے کہ ایک فریق سے رشوت حاصل کرے تو وہ رشوت کے مطابق فیصلہ دے گا نہ کہ انصاف کے مطابق اور غضب کی مثال ظاہر ہے۔[50]

معاشرہ کی ایک اہم خرابی جس کی وجہ سے معاشرہ ابتری کا شکار ہو کر بدامن ہو جاتا ہے وہ حسد ہے۔ کسی کے پاس مال و دولت آ گیا تو فرد اس سے حسد کرے گا اور ساتھ ہی اس کو زچ کرنے کے لیے منصوبہ بندی بنائے گا۔ یوں معاشرہ کو برباد کرنے کے لیے فرد کے سینہ میں چنگاری سلگتی ہے اور وہ چنگاری ایک الاؤ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ مولانا رومؒ حسد کی مذمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

خانمانہا از حسد گردد خراب　　　　بازِ شاہی از حسد گردد غُراب

(حسد سے گھر بار اجڑ جاتے ہیں۔ بادشاہ کا باز حسد (کی نحوست) سے ایک کوا بن جاتا ہے۔)

یعنی انسان کے باطن میں حسد گھر کر لیتا ہے تو اس سے باطن کا گھر بار اجڑ جاتا ہے یعنی سب مال و اسباب غارت ہو جاتا ہے باطن کا مال و اسباب کیا ہے اخلاقِ حسنہ اور ملکاتِ فاضلہ۔ یہ چیزیں حسد سے برباد ہو جاتی ہیں اسی لیے جناب سرورِ کائنات علیہ التحیات نے فرمایا: "ایاکم والحسد فان الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب"[51] یعنی "حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ ایندھن کو تباہ کر دیتی ہے"۔ پھر فرماتے ہیں نفسِ انسانی کی قلبی دماغی طاقتیں جو حقائق اور علومِ عالیہ کو اخذ کرنے کے لیے بمنزلہ شاہی باز کے تھیں حسد کی آلائش سے اغراضِ خسیسہ اور مقاصدِ رذیلہ کی طلب میں ایک نجاست خوار زاغ کے مشابہ ہو جاتی ہیں۔[52]

نتائج

درج بالا بحث کے نتائج ضمن وار بذیل ہیں:

* معاشرہ افراد کے ایسے گروہ کو کہتے ہیں جو مشترکہ روابط کی بنا پر باہم بنیادی ضروریاتِ زندگی کے ساتھ وابستہ ہوں۔
* اسلامی عقائد کا سب سے قوی اور مضبوط مظہر اس کی معاشرت میں کارفرما ہوتا ہے۔
* ہماری معاشرت مغربی تہذیب، یورپی ثقافت اور الحاد و اباحیت کی دلدل میں پھنس چکی ہے۔
* اسلامی معاشرت کا حقیقی نمونہ حضور نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ میں پوشیدہ ہے۔

---

[50] ایضاً، ص: ۱۶۳

[51] سنن ابی داؤد، امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، (دارالتاصیل، قاهرة، ط اول، ١٤٣٦ھ)، کتاب الادب، باب فی الحسد، حدیث نمبر: ۴۹۰۳

[52] مفتاح العلوم، شرح مثنوی مولانا روم، دفتر اول، حصہ اول، ص: ۱۹۸

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

* اسلام وحدت نسل انسانی کا داعی ہے وہ انسانوں کی محدود تفریق کا قائل نہیں۔
* اسلام ایک ایسا معاشرہ چاہتا ہے جس میں خیر وشر کے پیمانے متعین ہوں اور معاشرتی نظم کو ہر قیمت پر برائیوں سے پاک رکھنا چاہیے۔
* مولانا رومؒ کے نزدیک معاشرہ کے دائمی امن کے لیے کچھ ایسے اصول ہیں اگر ان پر عمل کیا جائے تو یقیناً معاشرہ میں افراتفری، بے راہ روی، بے سکونی اور دیگر معاشرتی مسائل کا خاتمہ ممکن ہو سکتا ہے۔
* مولانا رومؒ معاشرہ میں امن کے لیے اچھے اخلاق، ایثار، رحم، انصاف، باخبر رہنا، اختلافات کا خاتمہ، منکسر المزاجی، رواداری، محاسبہ نفس، اخلاص، اور بہتر تربیت پر زور دیتے ہیں۔
* مولانا رومؒ ظلم، رشوت، حسد، عدم مساوات، عیب جوئی، خوشامد، تکبر، غصہ، خود غرضی، اندھی تقلید، اور دیگر معاشرتی برائیوں کو معاشرتی امن کا نقیض قرار دیتے ہیں۔